

عقیدہ  
ایصالِ ثواب  
برحق ہے

مؤلفین

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ  
حضرت مولانا محمد عبدالقوی مدظلہ  
مولانا محمد اطہر کریم نگری زید مجرہ

ناشر

برکات *Barakaath* بک ڈپو  
Book Depot

# 17-1-391/2/m/1, Khaja Bagh Colony, Sayeedabad Hyd-59

## تفصیلات طباعت

نام کتاب : عقیدہ ایصالِ ثواب برحق ہے  
 مؤلفین : شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ  
 حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ  
 مولانا محمد اطہر صاحب کریم نگری  
 صفحات : ۴۸  
 قیمت : 50/-  
 کمپوزنگ : حافظ عزیز الرحمن 9030735447  
 ناشر : برکات بکڈ پو، خواجہ باغ، سعید آباد، حیدر آباد

## ملنے کے پتے

- \* ادارہ اشرف العلوم اکبر باغ نزد مسجد اکبری ملک پیٹ، حیدر آباد 040-24556487
- \* برکات بکڈ پو، نزد ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ حیدر آباد 08686641017
- \* مکتبہ کلیمیہ، درگاہ یوسفین روڈ نام پلی حیدر آباد 09885655591
- \* ادارہ خیر المدارس چودہری نگر لالتور 09421956690

## تعارف مضامین

صفحہ نمبر: ۸ تا ۲۰

عقیدہ ایصالِ ثواب اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک بالاتفاق جائز اور درست ہے، اس میں کسی اہل حق کا اختلاف نہیں، معتزلہ، خوارج اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے اس سے اختلاف رکھتے ہیں، اس عقیدے کی کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں اطمینان بخش وضاحت حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ نے فرمائی ہے۔

صفحہ نمبر: ۲۱ تا ۳۷

جس طرح تمام نفل اعمال کا ثواب آدمی اپنے غیر کو بخش سکتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن کریم کا ثواب بھی بخش سکتا ہے، اہل حق میں بعض ائمہ کرام کو اس میں غلجان تھا مگر دلائل کی روشنی میں صحیح بات یہی ہے کہ قرآن کریم پڑھ کر اس کا ثواب بھی دوسرے کو ایصال کیا جاسکتا ہے اس مضمون کو نہایت وضاحت کے ساتھ مولانا محمد اطہر صاحب کریم نگری زید مجدہ نے کتب حدیث و فقہ سے مرتب کر دیا ہے۔

صفحہ نمبر: ۳۸ تا ۴۸

عالم برزخ کے احوال نیز تلاوت قرآن کے ایصالِ ثواب جیسے چھ سوالات کا مفصل جواب اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی روشنی میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے، یہ مضمون ”مجموع الفتاویٰ“ میں موجود ہے، اسی سے اخذ کر کے حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ نے آسان اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

### بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ”ان مما یلحق المؤمن من عملہ وحسناتہ بعد موتہ علما عملہ ونشرہ، وولدا صالحا ترکہ، ومصحفا ورثہ، أو مسجدا بناہ، أو بیتا لابن السبیل بناہ، أو نہرا أجراه، أو صدقة أخرجها من مالہ فی صحتہ وحياتہ، یلحقہ من بعد موتہ“۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۴۲، شعب الایمان: ۳۱۷، ابن خزیمہ: ۲۴۹۵)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کی وفات کے بعد اس کے اچھے اعمال اور نیکیوں میں جو چیز لاحق ہوگی (ان میں ایک تو) ایسا علم ہے جس کو اس نے حاصل کیا اور پھیلایا (دوسرے) وہ شخص جس نے نیک اولاد چھوڑی (تیسرے) وہ شخص جس نے کسی کو قرآن مجید دی (چوتھے) وہ شخص جس نے مسجد بنائی (پانچویں) وہ شخص جس نے مسافر کے لئے رہائش گاہ تعمیر کی (چھٹے) وہ شخص جس نے نہر کھدوائی (ساتویں) وہ شخص جس نے اپنی زندگی اور صحت کے زمانہ میں اپنے مال میں سے کوئی صدقہ دیا تو یہ تمام چیزیں بعد از وفات مومن کے ساتھ لاحق ہونگی، یعنی ان اعمال کا اجر اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہے گا۔

## تقدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی و تسلیم علی رسولنا الکریم اما بعد!  
ایصالِ ثواب یعنی نفلِ اعمالِ صالحہ پر جو ثواب عمل کرنے والے کو ملتا ہے وہ ثواب اپنی جانب سے کسی اور مسلمان کو — خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ — بدیہ کر دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلے میں خوارج و معتزلہ اور ان کے ہم خیال بدعتی لوگوں کو چھوڑ کر پوری امتِ مسلمہ کا اجماع ہے کہ ایسا کرنا بلا شک و شبہ جائز ہے، اور ایسا کرنے سے اس ثواب کا حق دار وہ شخص بن جاتا ہے جس کو ایصال کیا گیا ہے۔

چوں کہ اس زمانے میں بھی بعض لوگ اپنے دہنوں میں خوارج اور معتزلہ کے جراثیم پرورش کرتے ہوئے اسی قسم کے آزادانہ خیالات کا بہ زور و شور چرچا کر رہے ہیں، اور اسی باطل و ناحق خیالات کو حق و صواب بتانے میں تاویلاتِ باطلہ کا سہارا لے کر شب و روز مشغول ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سلسلے میں احقاقِ حق کا فریضہ عوام الناس کے سامنے واضح کر دیا جائے تاکہ بھولے بھالے مسلمان معلومات کی کمی کی وجہ سے ان باطل نظریات سے محفوظ رہ سکیں، یہ رسالہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس رسالے میں تین مقالات ہیں، ایک نفسِ ایصالِ ثواب کی حجیت پر، دوسرا قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب ایصال کرنے کے جواز پر، تیسرا اس قسم کے چند اور مسائل پر، پہلا مقالہ اس عاجز نے لکھا ہے، دوسرا مولانا محمد اطہر کریم نگری نے، تیسرا امام ابن تیمیہؒ کی تحریر ہے جسے عربی سے اردو میں ترجمہ اسی عاجز نے کیا ہے۔

حق تعالیٰ اس رسالے کو شرفِ قبول عطا فرما کر امتِ مسلمہ کی صحیح رہنمائی کا وسیلہ بنائے آمین۔

محمد عبدالقوی

۱۰/ رجب ۱۴۳۶ھ، برموقع اشاعت دوم

## تأثرات

حضرت مولانا محمد خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی  
ناظم المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد

ایصالِ ثواب کے مسئلہ میں فی زمانہ عجیب افراط و تفریط کی کیفیت ہے، کچھ لوگ سرے سے ایصالِ ثواب کے قائل ہی نہیں، اور ایک ایسی حقیقت کے منکر ہیں جو متعدد مقبول احادیث سے ثابت ہے، دوسری طرف کچھ لوگوں نے ایصالِ ثواب کو آیات اللہ کی خرید و فروخت کا ذریعہ بنا لیا ہے، اور اس کی باضابطہ تجارت کی جاتی ہے، پیسے لے کر اور دعوتوں کی شرط پر قرآن پڑھا جاتا ہے، اور اس کو ایصالِ ثواب کا نام دیا جاتا ہے، حالانکہ ایصالِ ثواب، ”ثواب پہنچانے“ کا نام ہے، اور کوئی عمل اسی وقت باعثِ اجر و ثواب بنتا ہے، جب وہ اخلاص پر مبنی ہو، نہ کہ طمع و حرص پر، جب قرآن ماڈی معاوضہ کے بدلے پڑھا جائے، تو وہ خود کا رِ ثواب نہیں، اور جو خود کا رِ ثواب نہیں، وہ کیوں کر دوسروں کے لیے نافع بن سکتا ہے؟ علماء حق نے ہمیشہ اس افراط و تفریط سے اپنا دامن بچایا ہے، اور عدل و اعتدال کی راہ اختیار کی ہے، اور وہ یہ کہ دعا عباداتِ مالیہ اور عباداتِ بدنہ تینوں طریقوں پر ایصالِ ثواب ثابت ہے، بشرطیکہ ان افعال کو احکام شریعت کے مطابق انجام دیا جائے، اور کتاب اللہ کی خرید و فروخت نہ کی جائے۔

والسلام

خالد سیف اللہ رحمانی

## تأثرات

حضرت مولانا محمد ولی اللہ قاسمی زید مجدہ

ناظم مدرسہ مظہر العلوم نظام آباد

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم... اما بعد

موجودہ دور میں بعض گوشوں سے چند ایسے مسائل کو بہت شد و مد کے ساتھ اٹھایا جا رہا ہے جن کا وجود خیر القرون اور اس کے بعد کے زمانوں میں نہیں ملتا ہے، جبکہ ہر زمانہ میں علماء اسلام نے صحیح صحیح مسائل اُمت کے سامنے پیش کر دئے ہیں، ان نئے مسائل میں ایک مسئلہ ایصالِ ثواب بالقرآن کا ہے، آج کل یہ کہا جا رہا ہے کہ ایصالِ ثواب کوئی چیز نہیں ہے، اور بعض لوگ ایصالِ ثواب کے توقائل ہیں مگر تلاوتِ قرآن کے ذریعے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں، فاضل عالم دین جناب مولانا اطہر صاحب زید مجدہم نے — جنہیں اللہ نے علمی قابلیت اور صلاحیت کے ساتھ صالحیت کا وافر حصہ عنایت فرمایا ہے — قرآن وحدیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال کی روشنی میں بڑے دل نشیں اور مؤثر انداز میں اس مسئلے کا ثبوت پیش کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی بلکہ یقین کامل ہے کہ اس سے عام مسلمان کو نفع ہوگا، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کو عام مسلمانوں اور خود مصنف کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ ایں دعا از من وجملہ جہاں آمین باد۔

والسلام

سید ولی اللہ قاسمی

## ایصالِ ثواب کا عقیدہ برحق اور اجماعی ہے

(تحریر: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم)

اسلامی عقائد میں ایک اہم عقیدہ ”ایصالِ ثواب“ کا بھی ہے، اہل اسلام میں معتزلہ اور بعد میں ان کے نقش قدم پر چلنے والے مثلاً منکرین حدیث (اہل قرآن) اس کے سرے سے منکر ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ اس کو جائز اور درست قرار دیتے ہیں کہ کسی مسلمان کے انتقال کے بعد اس کے عزیز و اقرباء یا کوئی بھی مسلم اپنی سعی و عمل کا ثواب اس کو بخش دینا چاہے تو بخش دے سکتا ہے۔

امام ابو جعفر طحاویؒ اس سلسلہ میں اپنی شہرہ آفاق کتاب ”العقیدۃ الطحاوی“ میں اہل اسلام کا عقیدہ ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفی دعاء الاحیاء وصدقۃہم منفعة زندہ لوگوں کی دعاؤں اور ان کے لاموات<sup>۱</sup> صدقات کا نفع مردوں کو پہنچتا ہے۔

اس کی تشریح میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

اتفق اہل السنۃ علی ان الاموات اہل سنت والجماعۃ کا اس پر اجماع ہے ینتفعون من سعی الاحیاء بطرق کہ مردوں کو متعدد طریقوں سے زندوں عدیدہ<sup>۲</sup> کی سعی و عمل کا نفع پہنچ سکتا ہے۔

۱۔ ص: ۱۳۴، ۲۔ ایضاً علی الباش



امام نووی شافعی رحمہ اللہ نے مقدمہ صحیح مسلم کی شرح میں ایک مسئلے کی تشریح کرتے ہوئے ضمناً اس عقیدہ پر بھی روشنی ڈالی ہے:

اما قوله ”ليس في الصدقة اختلاف“ فمعناه ان هذا الحديث لا يحتاج به ولكن من اراد بروالديه فليصدق عنهما، فان الصدقة تصل الى الميت وينتفع بها بلا خلاف بين المسلمين، هذا هو الصواب واما ما حكاه اقضى القضاة ابو الحسن ماوردى البصرى الفقيه الشافعى فى كتابه ”الحاوى“ عن بعض اصحاب الكلام من ان الميت لا يلحقه بعد موته ثواب فهو مذهب باطل قطعاً وخطأً بين مخالف لنصوص الكتاب والسنة واجماع الامة فلا التفات اليه ولا تعريب عليه۔<sup>۱</sup>

امام مسلم کا یہ فرمانا کہ صدقہ کے مفید للمیت ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگرچہ اس حدیث سے اس پر استدلال صحیح نہیں ہے لیکن یہ مسئلہ اپنی جگہ تمام مسلمانوں کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی والدین سے ان کے مرنے کے بعد حسن سلوک کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ صدقہ خیرات کرے، اس لیے کہ صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے منتفع ہوتا ہے، یہ بالکل صحیح بات ہے، اور وہ جو قاضی ابوالحسن ماوردی نے اپنی کتاب الحاوی میں بعض اہل کلام سے نقل کیا ہے کہ میت کو اس کی موت کے بعد کوئی ثواب نہیں پہنچ سکتا تو ان کا یہ قول قطعی طور پر باطل اور بالکل واضح غلطی ہے، نیز کتاب و سنت کے نصوص اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ناقابل التفات و توجہ ہے۔

امام قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر ”احکام القرآن“ میں آیت شریفہ **وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حُجُّ**  
**الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** کے تحت ”المسئلة السابعة“ میں حج بدل  
کے احکام بیان کرتے ہوئے اس عقیدہ پر اجماع کا ذکر کیا ہے:

ففى هذا ما يدل على انه من باب      اس حدیث میں — کہ آپؐ نے سائل  
التطوعات وايصال البر والخيرات      سے فرمایا: اگر تمہارے مرحوم والد پر  
للاموات، الا ترى انه قد شبه فعل      قرض ہوتا اور تم ادا کرتے تو کیا ادا نہ  
الحج بالدين، وبالا جماع لومات      ہوتا؟ — اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عمل  
ميت وعليه دين لم يجب على وليه      نفل کاموں کے ایصالِ ثواب کے باب  
قضاءه من ماله، فان تطوع بذلك      سے ہے، دیکھئے آپؐ نے حج کے عمل کو  
تأوى الدين عنه۔<sup>۱</sup>      قرض سے تشبیہ دی (اور فرمایا کہ جس  
طرح میت کی طرف سے اس کا قرض ادا  
کرنے سے ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح اس  
کی جانب سے حج کیا جائے تو وہ بھی ادا  
ہو جائے گا) جب کہ اس بات پر امت کا  
اجماع ہے کہ مقروض میت کے اولیاء  
پر لازم نہیں ہے کہ اپنے مال سے اس کا  
قرض ادا کر دیں، (پھر بھی) اگر کسی نے  
ادا کر دیا تو ادا ہو جاتا ہے۔

امام علی ابن ابی العزدمشقیؒ فرماتے ہیں:

۱۔ قرطبی: ۱۱۷/۳

اتفق اهل السنة ان الاموات ينتفعون من سعي الاحياء بامرین احدهما: ما تسبب اليه المیت فی حياته والثانی: دعاء المسلمین لهم واستغفارهم له، والصدقة، والحج ... وذهب بعض اهل البدع من اهل الکلام علی عدم وصول شیئی البتة لا الدعاء ولا غیره فقولهم مردود بالکتاب والسنة۔<sup>۱</sup>

اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مردے زندوں کے عمل سے دو طرح منتفع ہو سکتے ہیں، ایک ان ذرائع سے جس کے اسباب انہوں نے خود اپنی زندگی میں بنائے ہوں، دوسرے مسلمانوں کی اپنی طرف سے کی جانے والی دعا، استغفار، صدقہ خیرات اور حج وغیرہ کے ذریعہ..... (اس سلسلہ میں جزوی اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) اور بعض بدعتی لوگ کہتے ہیں کہ کسی قسم کا انتفاع زندوں سے مردوں کو نہیں ہو سکتا، نہ دعا سے نہ کسی اور عمل سے تو ایسے لوگوں کا قول کتاب وسنت کی روشنی میں مردود اور ناقابل قبول ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ پہلی صورت یعنی اپنی زندگی میں اپنی سعی سے اختیار کردہ ذرائع ثواب سے مرنے کے بعد فائدہ اٹھا سکتا تو اس کے ثبوت میں وہ روایت کافی ہے جو امام مسلم اور دیگر محدثین نے اپنی سند سے نقل فرمائی ہے:

اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جاریة، او ولد صالح یدعوله، او علم ینتفع به بعده۔<sup>۲</sup>

آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین اعمال کے (۱) صدقہ جاریہ (۲) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے اور (۳) اس کا وہ علم جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی مستفید ہوتے رہیں۔

۱۔ شرح العقیدۃ الطحاویہ ص: ۳۶۹، ۲۔ مسلم، کتاب الوصیۃ/ ابوداؤد، ترمذی وغیرہ

اور دوسری صورت یعنی ان اعمال کے ذریعہ بھی میت کو ثواب پہنچ سکتا جو محض دوسروں کا عمل ہے تو اس کا ثبوت بھی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس صحیح ہر چہار اصول دین میں موجود ہے، (اس کے بعد انہوں نے متعدد دلائل نقل کئے ہیں، یہاں ان میں سے صرف ایک ایک مثال نقل کی جا رہی ہے۔)

کتاب اللہ سے ثبوت یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ  
يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا  
وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا  
مَغْفِرَةً فَرَمَا جَوْهَم سے پہلے ایمان کے ساتھ  
گزر چکے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اس میں مردہ مسلمانوں کے لیے زندوں کی دعا کی تعریف فرمائی ہے، اگر ان کا یہ عمل مقبول و معتبر نہ ہوتا تو قرآن کریم میں اس کی تعریف ہرگز نہ کی جاتی؟ سنت رسول اللہ ﷺ سے ثبوت کے لیے اس حدیث کو ملاحظہ کر لیجئے جیسے امام ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت عثمان غنیؓ سے روایت کیا ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا فَرَغَ مِنْ دَفْنِ  
الْمَيِّتِ وَقَفَ عَلَيْهِ فَقَالَ: اسْتَغْفِرُوا  
لَاخِيكُمْ، وَاسْأَلُوهُ التَّثْبِيتَ فَانْه  
الآن يسأل۔<sup>۱</sup>

جب نبی کریم ﷺ کسی میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو اس کی قبر پر تھوڑی دیر ٹھہرتے اور فرماتے: اپنے مسلمان بھائی کیلئے مغفرت کی دعا کرو اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے استقامت طلب کرو، کیونکہ یہ وقت اس کے سوال و جواب کا وقت ہے۔

۱ الحشر: ۱۰، ۲ ابوداؤد، کتاب الجنائز، صحیح

اجماع امت کا ثبوت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک امت بلا اختلاف مردوں پر نماز جنازہ پڑھتی اور دعائے مغفرت کرتی آرہی ہے، یہ میت کا اپنا عمل نہیں ہے غیر کا ہے، مگر اس کو غیر کے اس عمل سے نفع ہوتا ہے اس عمل سے اور اس کے نافع ہونے سے امت میں کسی ایک شخص کو بھی اختلاف نہیں ہے۔

قیاس صحیح اور عقل کامل بھی اسی کی تائید کرتی ہے، کیوں کہ نفل اعمال کا ثواب بندہ کا اپنا حق ہے، اگر وہ کسی اور کو ہدیہ کر دینا چاہتا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، جیسا کہ اگر کوئی زندہ مردہ کا قرض ادا کر دے تو اس کی جانب سے ادا ہو جاتا ہے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ثواب کا کام کرے اور اس کا ثواب کسی اور کو بخش دے تو اس کو پہونچنے میں عقلاً کوئی تردد نہیں ہو سکتا۔ واللہ اعلم<sup>۱</sup>

بہر حال! یہ تو نفس ایصالِ ثواب کا ثبوت تھا کہ زندوں کے عمل کا مردوں کو ایصالِ ثواب کرنا باجماع امت ثابت و جائز ہے، خواہ میت نے زندگی میں اپنی طرف سے ان کے اسباب کئے ہوں، یا نہ کئے ہوں مسلمان اپنی جانب سے پہونچا رہے ہوں، دونوں صورتیں صحیح ہیں، اس کے برخلاف جو لوگ ایصالِ ثواب کو لغو عمل اور میت کے لیے غیر نافع کام سمجھتے ہیں وہ اجماع امت کے مخالف، بدعتی اور اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہیں؛ البتہ اہل السنۃ والجماعۃ کے ائمہ میں ”ایصالِ ثواب“ کے برحق ہونے پر اتفاق کے باوجود اس کی صورت و نوعیت میں کچھ اختلاف موجود ہے کہ بعض علماء کے ہاں وہ چند عبادات کے ساتھ خاص ہے اور بعض کے ہاں عام! امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس کو بعض اعمال کے ساتھ خاص کرتے ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام احمدؒ اور جمہور سلف تمام اعمالِ صالحہ نافلہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کو جائز سمجھتے ہیں۔

امام ابی العزیز دمشقیؒ فرماتے ہیں:

۱۔ شرح العقیدۃ الطحاویۃ

واختلف في العبادات البدنية كالصوم والصلوة وقراءة القرآن والذكر، فذهب ابو حنيفة واحمد والجمهور السلف الى وصولها، والمشهور من مذهب الشافعي ومالك عدم وصولها<sup>۱</sup>۔  
 عبادات بدنية مثلاً روزہ، نماز، تلاوت قرآن اور ذکر اللہ سے ایصالِ ثواب کرنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ اور جمہور علماء سلف کے نزدیک ان اعمال کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور امام مالک و شافعیؒ کے نزدیک مشہور قول کے مطابق نہیں پہنچتا ہے۔

”مشہور قول کے مطابق“ اس لیے کہا کہ بعد میں محقق علماء شافعیہ نے بھی وصول و جواز کا قول اختیار کرتے ہوئے جمہور ہی کی تائید کی ہے، آگے اسی رسالہ میں آپ اس کی تفصیل ملاحظہ کریں گے۔

جمہور کے مسلک کی تائید و توثیق کے لیے درج ذیل روایات پیش کی جاسکتی ہیں:  
 امام مسلمؒ نے حضرت بریدہؓ سے نقل کیا ہے کہ:

كان رسول الله ﷺ يعلمهم اذا رسول الله ﷺ صحابه كرام كوتعليم فرماتے  
 خرجوا الى المقابر ان يقول قائلهم: تھے کہ جب تم لوگ قبرستان جایا کرو تو  
 السلام عليكم اهل الديار من مردوں سے اس طرح مخاطب ہوا کرو، اے  
 المؤمنين والمسلمين، وانا انشاء الله مسلمانو! تم پر اللہ کی سلامتی ہو، ہم بھی  
 بكم لا حقون، نسأل الله لنا ولكم تمہارے پاس آنے والے ہیں، ہم اللہ  
 العافية<sup>۲</sup> تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے  
 عافیت کی دعا کرتے ہیں۔

۱۔ شرح العقيدة الطحاوية ص: ۳۶۹۔

۲۔ مسلم کتاب الجنائز

یہ اور اس قبیل کی تمام قولی و عملی روایات جو مختلف الفاظ و انداز میں منقول ہیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ زندوں کی جانب سے مردوں کے لیے دعا و استغفار کا فائدہ مردوں کو حاصل ہوتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال: ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر سوال کیا کہ میری ماں کا اچانک انتقال ہو گیا، کچھ کہہ نہ پائیں، میرا خیال ہے کہ اگر وہ کچھ کہہ پاتیں تو شاید کچھ تکلمت تصدقت، أفلها اجر ان تصدقت عنها؟ قال نعم! صدقہ ضرور کروا تیں، اب اگر میں خود ہی اپنی طرف سے ان کے لیے کچھ صدقہ کروں تو ان کو ثواب ملے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں!۔

یہ اور بخاری ہی میں مروی حضرت سعد بن عبادہؓ کے اسی طرح کے دوسرے واقعے سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ میت کو زندوں کے صدقات و خیرات کا اجر و ثواب پہنچتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے:

قال رسول الله ﷺ من مات وعليه کسی شخص کا انتقال ہو گیا اور اس کے ذمہ صیام صام عنہ ولیہ ۲ روزے رہ گئے ہوں تو اس کی طرف سے یہ روزے اس کا ولی رکھ لے۔

یہ اور اس قسم کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بدنی عبادات کا ثواب بھی میت کو پہنچ سکتا ہے؛ یہ اور بات ہے کہ میت کے قضا روزے اس کا ولی روزوں کی شکل ہی میں ادا کر سکتا ہے یا اس کا فدیہ ادا کر کے اس کو سبکدوش کر سکتا ہے اس میں اختلاف ہے؛ امام اعظمؒ کے نزدیک حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں مروی ممانعت کی وجہ سے روزہ کا فدیہ ادا کرنا زیادہ صحیح ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے:

ان امرأة من جهينة جاءت الى  
النبي ﷺ فقالت: ان امي نذرت  
ان تحج فلم تحج حتى ماتت،  
افاحج عنها؟ قال حجي عنها،  
ارأيت لو كان علي امك دين  
اكنت قاضيته؟ اقضوا الله فالله  
احق بالوفاء۔<sup>۱</sup>  
ایک خاتون نے حضور اکرم ﷺ کی  
خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ!  
میری والدہ نے حج کی نذر مانی تھی مگر اس  
کو پورا کرنے سے قبل ہی انتقال کر گئیں،  
کیا میں ان کی جانب سے حج کر لوں؟  
فرمایا: کر لو، دیکھو! اگر اس پر قرض ہوتا تو  
تم ادا نہ کرتیں؟ پس اللہ کا حق بھی ادا  
کردو، کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حق رکھتا ہے  
کہ اس سے وفا کی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج کے ذریعہ بھی میت کو نفع پہنچایا سکتا ہے؛ یاد رہے کہ حج بھی اصلاً بدنی عبادت ہے، اگرچہ مال اس کا ذریعہ ہے مگر سب کے لیے ضروری نہیں، حرم شریف کے رہنے والے بغیر کسی مالی صرفے کے محض مناسک حج ادا کرتے ہیں اور ان کا حج سب کے نزدیک معتبر ہے؛ معلوم ہوا کہ حج اصلاً بدنی عبادت ہے۔

امام احمدؒ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے بہ سند حسن روایت کیا ہے:



ایک شخص کا انتقال ہوا تو ہم لوگوں نے ان کا جنازہ تیار کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے اور عرض کیا کہ نماز جنازہ پڑھا دیجئے، آپ نے چند قدم چلنے کے بعد رُک کے دریافت فرمایا کہ یہ میت مقروض تو نہیں؟ عرض کیا گیا اس پر دو دینار کا قرضہ ہے، یہ سن کر آپ لوٹ گئے، یہ دیکھ کر حضرت ابو قتادہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کے قرض کی ادائیگی میری ذمہ داری ہے، ادائیگی کا اطمینان کر کے آپ نے نماز جنازہ پڑھا دی، اگلے دن آپ ﷺ نے ان دیناروں کی ادائیگی کے بارے میں پھر دریافت فرمایا، جب حضرت قتادہؓ نے عرض کیا کہ وہ دینار ادا کر دئے گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الان بردت علیہ جلدہ۔<sup>۱</sup> اب تم نے اس کی روح کو پرسکون کر دیا۔  
اس سے بھی معلوم ہوا کہ اولاد اور رشتے دار تو کیا؟ کوئی اجنبی شخص بھی ازراہ خیر خواہی میت کا قرض ادا کر دے یا اور کوئی نفع اس کو پہنچانا چاہے تو شریعت میں گنجائش ہے اور اس کا یہ ایصالِ ثواب معتبر ہے۔

امام احمد، امام ابو داؤد اور امام ترمذی رحمہم اللہ وغیرہ سے مروی، ایک طویل روایت کے آخر میں ہے:

فلما انصرف (من المصلی) اتی عید گاہ سے واپسی کے بعد آپ نے ایک بکبش فذبحہ فقال، بسم اللہ واللہ مینڈھا بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر ذبح اکبر، اللہم هذا عنی وعمن لم فرمایا اور کہا: اے اللہ! یہ قربانی میری جانب سے ہے اور میری امت کے ان تمام افراد کی جانب سے ہے جو قربانی نہیں کر سکے۔

۱۔ مندا احمد: ۴۰۵/۳، ۲۔ مندا احمد: ۱۴۳/۱

مذکورہ روایت سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ نفل اعمال دوسرے مسلمانوں کی جانب سے بھی کئے جاسکتے ہیں۔

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں مثلاً سعد بن عبادہؓ کو آپ ﷺ نے ان کی بہن کی طرف سے پانی کی سبیل لگانے کا مشورہ دیا تا کہ اس کا ثواب ان کی بہن کو پہنچتا رہے، حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی حضرت عبدالرحمنؓ کی طرف سے اعتکاف کیا اور غلام آزاد کیا، حضرت علیؓ نے ایک بوڑھے شخص کو ہدایت دی کہ وہ حج کو نہیں جاسکتا ہے تو کسی اور کو اپنی جانب سے بھیج دے۔<sup>۱</sup>

حضرت عمرو بن عاصؓ کے یہ دریافت کرنے پر کہ ان کے والد عاص نے سوغلام آزاد کرنے کی نذر مانی تھی مگر پوری نہ کر سکے تھے، ان کے مرنے کے بعد میرے بھائی ہشام نے اپنے حصے کے پچاس غلام آزاد کر دئے، کیا میں بھی اپنے حصے کے بقیہ پچاس غلام آزاد کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہارے والد نے توحید کا اقرار کر لیا تھا تو اس کا نفع پہونچے گا، خواہ غلام آزاد کرو، یا ان کی طرف سے صدقہ کرو، یا حج کرو۔ (سب کا ثواب پہونچے گا)<sup>۲</sup> اس سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب کے مفید ہونے کے لیے مومن ہونا ضروری ہے، مومن ہے تو زندوں کے ثواب پہونچانے کا نفع میت کو برابر ہوگا، اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔

امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے:

سمعت رسول اللہ ﷺ يقول اذا مات احدكم فلا تجسوه واسرعوا به الى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجلها خاتمة البقرة۔<sup>۳</sup>

میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روکے مت رکھو، جلدی سے اس کی قبر میں پہونچا دو، اور (تدفین کے بعد) اس کے سر پہنچانے سورۃ

۱۔ تفسیر قرطبی: ۱/۱۱۵، ۲۔ ابوداؤد، باب ما جاء فی وصیۃ الحرئی، ۳۔ شعب الایمان ۱۲۳۰/۲

بقرہ کی ابتدائی آیات اور پابنتی اس کی  
آخری آیات پڑھ دی جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کا ایصالِ ثواب بھی دیگر عباداتِ نافلہ کی طرح بالکل درست ہے اور اس سے میت کو نفع ہوتا ہے، عصر حاضر کے محقق و مفسر اور فقیہ و مدبر علامہ ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ ”التفسیر المنیر“ میں رقم طراز ہیں:

والمعتمد فی المذاهب الاربعة ان ائمة اربعة کے نزدیک جو بات معتبر و محقق ہے ثواب القراءة یصل الی الاموات، وہ یہ کہ قراءت قرآن کا ثواب بھی میت کو لانہ ہبہ و دعاء بالقرآن الذی تنزل الرحمات عند تلاوته، وقد ثبت فی السنة النبویة وصول الدعاء کی رحمتیں اترتی ہیں، جب کہ میت کی طرف والصدقة للمیت، وذاک جمع سے کئے گئے صدقہ اور اس کے لیے کی گئی دعا کا پہونچنا سنت نبویہ سے ثابت ہے اور علیہ۔<sup>۱</sup>

اس پر امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

مذکورہ بالا تمام روایات سے مندرجہ ذیل باتیں اچھی طرح واضح ہو گئیں کہ:

(۱) ایصالِ ثواب برحق ہے، سلف سے خلف تک اس کی حقیقت پر سب کا اجماع ہے

(۲) ایصالِ ثواب تمام عباداتِ قولیہ، مالیہ اور بدنیہ کا ہو سکتا ہے۔

(۳) زندوں کی اس سعی و سفارش اور اہداء و ایصالِ کاف نفع میت کو حاصل ہوتا ہے۔

رہ گیا وہ اشتباہ جو ”أَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى“ سے معتزلہ یا ان کے ہم نوا طبقے کو ہو گیا ہے کہ انسان کو اپنی سعی (عمل) کے علاوہ کسی چیز کا نفع نہیں ہو سکتا تو اس شبہ کا باطل ہونا اظہر من الشمس ہے، تفصیل تو شارحین اور متکلمین کی کتب میں دیکھی جاسکتی

ہے، ہم امام قرطبیؒ جیسے عظیم مفسر کی اسی آیت کے تحت کی گئی ایک وضاحت پیش کر دینے کو عوام الناس کے لیے کافی سمجھتے ہیں، صاحب دانش و انصاف کے لیے یہی کافی ہے۔

وقال الربيع بن انس (وان ليس ربيع ابن انس آيت شريفة في انسان من لانسان الاماسعى) يعنى الكافر، كافر كمراد ليقى في اور كيتى في ك موئن واما المؤمن فله ماسعى و ماسعى كوتواس كى اپنى سعى بهى نفع دے كى له غير ه قلى كثر من الاحادىث اور غير كى سعى بهى۔ ميں كيتا هوں كى ربيع يذل على هذا القول، وان المؤمن ابن انس كى اس قول كى تاسيد بهت سى ليصل اليه ثواب العمل الصالح احاديث شريفة سى هوتى هي كى موئن كو من غير م<sup>۱</sup> دوسرے كى عمل صالح كا ثواب پيہونچتا هي۔

مذكورہ بالا تفصيل سى اميد كى انصاف پسند مسلمانوں كو اہل السنہ والجماعة كى متفق عليه عقيدة ايصال ثواب كى بارے ميں خاطر خواه تشفى هو جائے كى، اور كسى قسم كا خلبان باقى نہ رہے كا، البتہ جو لوگ ضد اور تعصب كو اپنا شيوہ بنائے هوئے هيں، ان كى لئى كوئى ثبوت بهى كافى نہيں هو سكتا، ايستى لوگ ہمارے مخاطب بهى نہيں هيں۔

حق تعالى تمام مسلمانوں كو سلف صالحين كى نقش قدم پر چلتے هوئے اپنى عاقبت درست ركھنے كى توفيق عطا فرمائے، آمين۔

محمد عبدالقوى غفرلہ

۷ شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ يوم الجمعة المباركة

## قرآن کریم کی تلاوت کا ایصالِ ثواب برحق ہے (تحریر: مولانا محمد اطہر کریم نگری زید مجدہ)

(۱) پہلی روایت:

عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه قال قال أبي اللجلاج ابو خالد يابني اذا امت فالحدي فاذا وضعتني في الحدي فقل بسم الله وعلى ملة رسول الله ﷺ ثم سن على التراب سنا ثم اقرأ عند رأسى بفاتحة البقرة و خاتمتها فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك“<sup>۱</sup>۔

علاء بن اللجلاجؒ کہتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کرتے ہوئے کہا کہ جب میں مرجاؤں تو میرے لیے لحد بناؤ اور جس وقت مجھے لحد میں رکھو تو ”بسم اللہ وعلی ملة رسول اللہ پڑھو، اس کے بعد مجھ پر مٹی ڈال دو، بعد ازاں میرے سر پہ سورہ بقرہ کا شروع اور آخر پڑھو کیونکہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے۔

حافظ بشیریؒ ”مجمع الزوائد“ میں اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس روایت کے تمام رجال ثقافت ہیں۔<sup>۲</sup>

اس روایت کے مضبوط ہونے کی ایک اور دلیل وہ روایت ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے، جسے امام بیہقیؒ نے نقل کیا ہے۔

۱۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر و اسنادہ صحیح

۲۔ آثار السنن، ۸/ ۲۱۰، مجمع الزوائد: ۳/ ۴۴، باب ما یقرئ عند ادخال المیت القبر

(۲) دوسری روایت:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا مات احدكم فلا تحبسه واسرعوا به الى قبره وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليهما خاتمة البقرة<sup>۱</sup>۔  
 حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے تو اسے روک کے مت رکھو، جلدی سے اسے قبرستان لے جا کر تدفین کر دو، اور اس کے سرہانے سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات اور پانچویں آخری آیات تلاوت کرو۔

علامہ نوویؒ آثار السنن کے حاشیہ میں اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت اگرچہ موقوف ہے لیکن حکم میں مرفوع کے ہے کیونکہ غیر مدرک بالرائے ہے، اس لئے قابل حجت ہوگی۔

(۳) تیسری روایت:

عن علي بن مرفوعا عن مر علي مقابر وقرأ قل هو الله احد احدی عشرة مرة ثم وهب اجره للاموات اعطى من الاجر بعدد الاموات اخرجه ابو محمد السمرقندی بخشے تو اس کو ان مردوں کی تعداد کے برابر فی فضائل قل هو الله احد)۔<sup>۲</sup>۔  
 حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا قبرستان پر گزر ہو، اور وہ ”قل هو الله احد“ گیارہ مرتبہ پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو الاموات اخرجه ابو محمد السمرقندی بخشے تو اس کو ان مردوں کی تعداد کے برابر فی فضائل قل هو الله احد)۔

<sup>۱</sup> رواہ البیہقی فی شعب الایمان، ۲، کنز العمال ۸/۱۰۰، اعلام السنن ۸/۲۱۱

## (۴) چوتھی روایت:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحۃ الكتاب وقل هو اللہ احد والہکم التاثر ثم قال اللہم انی قد جعلت ثواب ما قرأت من کلامک لاهل المقابر من المؤمنین والمؤمنات کانوا شفعاء لہ الی اللہ تعالیٰ اخرجہ ابو القاسم سعد بن علی الزنجانی فی فوائده<sup>۱</sup>

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص قبرستان میں داخل ہو کر سورۃ فاتحہ اور ”قل هو اللہ احد“ الہکم التکاثر پڑھے، اس کے بعد کہے کہ اے اللہ! میں نے جو تیرا کلام پڑھا ہے اس کا ثواب میں نے اس قبرستان کے مسلمان مرد اور عورتوں کو بخش دیا تو وہ خدا کے یہاں اس کی شفاعت کریں گے، اس روایت کو ابو القاسم سعد بن علی زنجانیؒ نے اپنی کتاب فوائد میں روایت کیا ہے۔

## (۵) پانچویں روایت:

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال من دخل المقابر فقرأ سورۃ یس خفف اللہ عنہم وکان لہ بعدد من فیہا حسنات، اخرجہ عبد العزیز صاحب الخلال بسندہ۔<sup>۲</sup>

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی قبرستان میں جائے اور سورہ یس پڑھے حق تعالیٰ شانہ اس قبرستان کے مردوں سے عذاب کو ہلکا کر دے گا اور پڑھنے والے کے لیے ان مردوں کے عدد کے موافق نیکیاں ہوں گی، اس روایت کو علامہ عبد العزیز صاحب الخلالؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔

۱۔ شرح الصدور، ۱۲۳، اعلام السنن: ۸/۲۱۱

۲۔ اعلام السنن: ۸/۲۱۱

قرآن مجید پڑھ کر میت کو بخشنے کے سلسلے میں یہ پانچ روایتیں ہیں ان میں سے اخیر کی تین روایتوں کے بارے میں امام سیوطیؒ نے کہا ہے کہ یہ اگرچہ ضعیف ہیں مگر ان سب کے مجموعے سے معلوم ہوتا ان کی اصل ہے۔<sup>۱</sup>

یعنی کثرتِ روایات کی وجہ سے ان میں قوت ضرور آگئی ہے اور یہ روایتیں قابلِ حجت بن گئی ہیں، تھوڑی دیر کے لیے ان تمام روایات کو ضعیف ہی مان لیں تب بھی ایصالِ ثواب کے بارے میں ان سے استدلال درست ہے، کیونکہ ایصالِ ثواب کا عمل بھی تو صرف مستحب ہی ہے اور استحباب پر عمل کرنے کے لیے ضعیف حدیث بھی کافی ہے، جیسا کہ محدثین کا قاعدہ ہے کہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر مستحب عمل کا ثبوت ہو سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ حدیث شدید ضعیف نہ ہو جیسا کہ علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر کی کتاب الجنازہ میں لکھا ہے۔<sup>۲</sup>

اس کے علاوہ محدثین کا یہ اصول بھی ہے کہ حدیث ضعیف اگر متفرق اسناد سے مروی ہو تو درجہ حسن کو پہنچ جاتی ہے، اور یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے لہذا درجہ حسن کو پہنچ گئی ہے۔

نیز حدیث ضعیف اس وقت حجت نہیں ہو سکتی جب کوئی قوی حدیث اس کے معارض یعنی مقابلے میں ہو، اور یہاں ایصالِ ثواب کے نفی میں تو شروع ہی سے کوئی روایت نہیں ہے، اس لئے بھی ان روایتوں سے استدلال اصولاً بالکل صحیح ہے۔

### اہل سنت والجماعت کا عقیدہ

اس باب میں جمہور اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر قسم کی مالی و بدنی عبادت کا ثواب (بشرطیکہ وہ نفلی ہو) مردوں کو بخشا جاسکتا ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ

۱۔ اعلاء السنن: ۸/ ۲۱۱

۲۔ ترتیب المسائل ص: ۱۰۵



اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے یہ ہے کہ عبادتِ بدنی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، صرف دعا اور صدقات کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن حافظ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ کے مسلک کے دیگر محققین نے خود اپنے امام کی اس تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ ہر قسم کی مالی و بدنی نفلی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔<sup>۱</sup>

### امام نوویؒ (شافعی) شارح مسلم کی تحقیق:

بہر حال قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعہ ایصالِ ثواب کے بارے میں امام شافعیؒ سے مشہور قول یہی منقول ہے کہ اس کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا، جب کہ بعض شافعی علماء (امام شافعیؒ کی اس رائے سے اتفاق نہیں رکھتے، وہ کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب میت کو پہنچتا ہے، اور علماء کی ایک بڑی جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ تمام عبادتوں روزوں اور نمازوں اور قرأتِ قرآن کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔<sup>۲</sup>

یہی امام نووی شافعیؒ اپنی کتاب شرح المہذب میں لکھتے ہیں قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ جس قدر ہو سکے قرآن کریم کی تلاوت کرے، اس کے بعد اہل قبور کے لیے دعا کرے، ”امام شافعیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس پر ہمارے اصحاب متفق ہیں“<sup>۳</sup>

اسی طرح امام نووی شافعیؒ ”کتاب الاذکار“ میں لکھتے ہیں ”تدفین کے بعد مستحب ہے کہ قبر کے پاس اتنی دیر بیٹھے رہے جتنی دیر میں اونٹوں کو ذبح کر کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے اور بیٹھنے والوں کو چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لیے دعا کرنے میں مشغول رہیں“<sup>۴</sup>

۱۔ فقہاء کے اس موقف کا حوالہ گندر چکا ہے۔ ۲۔ شرح مقدمہ مسلم: ۸۰/۱

۳۔ المجموع شرح المہذب: ۵/۳۱۱

۴۔ الاذکار: ص ۱۴۷

اسی طرح اسی کتاب کے صفحہ ۱۵۲ پر لکھتے ہیں مستحب ہے قبر کی زیارت کرنے والے کے لیے کہ قرآن مجید کی تلاوت اور ذکر کی کثرت کرے اور اس صاحب قبر کے ساتھ تمام مردوں اور مسلمانوں کے لیے بھی دعا کرے۔<sup>۱</sup>

امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ قبر کے پاس قرآن میں سے کچھ حصہ پڑھنا مستحب ہے، بلکہ اگر پورا قرآن ہی ختم کر دے تو بہتر ہے اس دلیل کی بنا پر جسے امام بیہقیؒ نے سند حسن کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دفن کے بعد قبر کے پاس کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کا اول و آخر حصے پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے۔<sup>۲</sup>

امام نوویؒ کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب فقہ نے خود قرآن مجید کے ذریعہ ایصالِ ثواب کی صراحت بیان فرمائی ہے، اب رہے امام احمد بن حنبلؒ جن سے اس بارے میں جو بدعت کا قول منقول ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا اس سے رجوع بھی ثابت ہے، جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

### امام احمد بن حنبلؒ کا اپنے مسلک سے رجوع

علی بن موسیٰؒ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ایک جنازہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے ساتھ تھا اور محمد بن قدامۃ الجوهریؒ بھی ہمارے ساتھ تھے، پس جب میت کو دفن کر دیا گیا تو ایک نابینا شخص آیا اور قبر کے پاس کھڑے ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا، امام احمد بن حنبلؒ نے اس آدمی سے کہا اے فلاں! قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کرنا بدعت ہے، پھر جب ہم قبرستان سے نکل کر باہر آ گئے تو محمد بن قدامۃؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا: اے ابو عبد اللہ! مبشر بن اسماعیل حلبیؒ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام احمد بن حنبلؒ نے جواب دیا وہ وثوقہ (قابل اعتماد راوی) ہیں، پھر محمد بن قدامۃؒ

نے پوچھا، کیا آپ نے مبشر بن اسماعیلؓ سے کوئی روایت نقل کی ہے؟ امام احمدؒ نے فرمایا: ہاں نقل کی ہے، تب محمد بن قدامة الجوهريؒ نے کہا مجھے مبشر بن اسماعیل حلبیؒ نے خبر دی اور ان کو عبد الرحمن بن العلاء بن المحلاج نے بتایا کہ ان کو ان کے والد نے وصیت کی کہ جب انہیں دفن کر دیا جائے تو ان کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورۃ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھیں، پھر کہا کہ میں نے حضرت ابن عمرؓ سے اسی طرح کی وصیت فرماتے ہوئے سنا ہے، یہ سن کر امام احمد بن حنبلؒ نے محمد بن قدامة الجوهريؒ سے کہا کہ میں نے جس نابینا کو قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے منع کیا تھا تم اس سے جا کر کہہ دو کہ وہ ”قبر کے پاس“ قرآن پڑھے۔

اسی طرح حضرت محمد بن مروزیؒ نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو ”سورۃ فاتحہ اور معوذتین اور سورۃ قل ھو اللہ احد“ پڑھ کر اس کا ثواب تمام قبرستان کے مردوں کو بخش دو کیونکہ اس طرح کرنے سے ان کو ثواب پہنچتا ہے۔<sup>۱</sup>

اس تفصیل سے اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ تدفین کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر یا قبر کی زیارت کے وقت قرآن مجید پڑھ کر میت کی روح کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔

اب چند محدثین اور فقہاء کی مزید تحقیقات نقل کی جاتی ہیں۔

علامہ شوکانیؒ (سلفی) کی تحقیق

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار میں لکھتے ہیں:

اور سورۃ یسین پڑھنے کا ثواب بھی میت کو ملتا ہے، اولاد کی طرف سے بھی اور غیر اولاد کی طرف سے بھی، اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے مردوں پر

سورۃ یٰسین پڑھا کرو، اور دعا کا نفع بھی میت کو پہنچتا ہے، خواہ اولاد کرے یا کوئی اور، یہ بھی حدیث سے ثابت ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور ثبات قدمی کی دعا کرو، اور باری تعالیٰ کے اس قول کی بناء پر وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنۢ بَعْدِهِمُ الْآيَةُ اور جو جو کارِ خیر اولاد اپنے والدین کے لیے کرے سب کا ثواب والدین کو پہنچتا ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی سعی (محنت) سے ہے۔<sup>۱</sup>

تدفین کے بعد دعا کے علاوہ تلقین کرنا (یعنی قرآن پڑھ کر بخشنا) یہ الگ مسئلہ ہے جو مستحب ہے، اکثر شوافع کے یہاں اور ہمارے بعض اصحاب سے بھی مستحب کا قول ہی نقل کیا گیا ہے اور اس بارے میں حدیث بھی وارد ہوئی ہے جو حضرت ابوامامہؓ سے منقول ہے جسے علامہ سیوطیؒ نے ”جمع الجوامع“ میں طبرانی اور النجار اور ابن العساکر اور دیلمی سے نقل کیا ہے اور علامہ طبریؒ نے سنن بیہقی سے نقل کی ہے کہ ”تدفین کے بعد قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورۃ بقرہ کا اول اور اس کا اخیر پڑھنا مستحب ہے اور میں نے خود بعض علماء سے سنا ہے کہ یہ فعل مستحب ہے۔“<sup>۲</sup>

### ملا علی قاریؒ (حنفی) کی تحقیق

ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

ابن ابی شیبہ نسائی، حاکم اور ابن حبان نے نقل کیا ہے، اسی طرح ابن ابی الدنیا اور دیلمی نے بھی اس کی تخریج کی ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر وہ میت جس کے سرہانے سورۃ یٰسین پڑھی جائے اللہ تعالیٰ اس پر معاملہ کو آسان فرمادیتے ہیں۔

۱۔ نیل الاوطار: ۳/۳۳۵

۲۔ لمعات الشیخ شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۲۰۰

اس حدیث کے بارے میں ابن حبانؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو قریب المرگ ہو، اور بعض محقق متاخرین نے اس حدیث کے ظاہر سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ سورہ یٰسین مرنے کے بعد پڑھی جائے گی جب کہ اپنے کپڑوں میں ملبوس ہو، اور علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ سورہ یٰسین کو میت پر قبر کے پاس پڑھا جاویگا، اور اس آخری معنی کی تائید حضرت ابن عدیؒ وغیرہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اپنے والدین یا ان دونوں کے قبروں کے پاس سورہ یٰسین پڑھے تو سورہ یٰسین کے ہر حرف کے بدلہ میں ان کی مغفرت کی جائے گی۔<sup>۱</sup>

### علماء احناف کی تحقیقات

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کے واسطے کر دینا جائز ہے، چاہے وہ عمل نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ، جیسے حج اور تلاوت قرآن اور دیگر اذکار و وظائف اور انبیاء علیہم السلام، شہداء اور اولیاء کرام صالحین عظام کی قبروں کی زیارت کرنا اور مردوں کو کفن دینا غرض کسی بھی قسم کے نیک اعمال کا ثواب پہنچایا جاسکتا ہے۔<sup>۲</sup>

کتاب البصائر میں لکھا ہے:

مسئلہ کی صحیح حقیقت یہ ہے کہ کسی شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہو یا تسبیح یا تہلیل کی ہو یا نفل نماز پڑھی ہو تو اس کا ثواب کسی زندہ یا مردہ کے نام ہدیہ کر سکتا ہے، کیوں کہ انسان کو مطلقاً یہ حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچائے، خواہ کسی زندہ کے نام پر ہو یا مردہ کے نام پر، خواہ اس عبادت کو ادا کرتے وقت دوسرے کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے یا پہلے اپنے لئے کر کے بعد میں دوسرے کو ثواب پہنچانے کی نیت کرے،

۱۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: ۱۶/۴، ۲۔ فتاویٰ عالمگیری: ۱۶/۴

اہل سنت والجماعت کے یہاں یہ تمام صورتیں جائز ہیں اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز نہ پڑھے اور کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے تو یہ اس شخص کے بارے میں ہے جو فرائض ایمان کی ذمہ داری و ادائیگی سے بری و سبکدوش ہونا چاہتا ہے مگر اس کی ادائیگی بجائے خود کرنے کے دوسرے سے کراتا ہو تو یہ شریعت میں قابل قبول نہیں ہے۔<sup>۱</sup>

الجوهرة النيرة میں ہے:

جب میت کی تدفین سے فارغ ہو جائیں تو قبر کے پاس اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے گوشت تقسیم کیا جاتا ہے، وہاں بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرے اور میت کے لیے دعا کرے، اس لیے کہ سنن ابوداؤد میں ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کسی میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو وہاں ٹھہرتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کیوں کہ اب اس سے سوال کیا جانے والا ہے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دفن کے بعد قبر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنے کو مستحب قرار دیتے تھے۔<sup>۲</sup>

امام محمدؒ اور امام احمدؒ کا موقف

وقال محمد بن الحسن واحمد في امام محمد بن الحسن اور ایک روایت کے  
رواية لا يكره (اي قراءة القرآن) لما مطابق امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ  
روى عن ابن عمر رضى الله عنهما (قبر پر تلاوت قرآن) مکروہ نہیں (یعنی  
انه أوصى ان يقرأ على قبره وقت جائز ہے) اس روایت کی وجہ سے جو  
الدفن بفواتح سورة البقرة و عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے  
خواتمها انتھی<sup>۳</sup> کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ تدفین کے

۱۔ البصائر: ص ۲۱۲، ۲۔ الجوهرة النيرة: ص ۱۱۱، ۳۔ الفقہ الاکبر: ص ۱۲۰

بعد ان کی قبر پر سورۃ بقرہ کا اول اور اس کا  
آخر پڑھا جاوے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا موقف

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:  
زیارات قبور کے سلسلے میں جو عمل سنت سے ثابت ہے وہ یہ کہ مردوں کو سلام کیا جائے، ان  
کے لئے استغفار کیا جائے اور قرآن مجید کی تلاوت کا ایصالِ ثواب کیا جائے۔<sup>۱</sup>

شیخ عزالدین بن عبد السلام کا واقعہ

شیخ عبد اللہ یافعیؒ نے ”روض الریاحین“ میں ذکر کیا ہے کہ شیخ عزالدین ابن  
عبد السلام اپنی زندگی میں یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ میت کو تلاوتِ قرآن کا ثواب نہیں  
پہنچتا، مگر ان کے انتقال کے بعد جب کسی شاگرد کو خواب میں ان کی زیارت ہوئی تو شاگرد  
نے ان سے دریافت کیا کہ زندگی میں آپ یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ تلاوتِ قرآن کا  
ثواب میت کو نہیں پہنچتا، اب تو مشاہدہ ہو گیا ہوگا؟ اب آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ  
عزالدینؒ نے جواب دیا میں تو دنیا میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا لیکن یہاں جو اللہ تعالیٰ کے کرم  
کا مشاہدہ کیا تو اس فتویٰ سے رجوع کر لیا۔<sup>۲</sup>

اب تک آپ حضرات قرآن مجید پڑھ کر میت کی روحوں کو بخشنے اور تدفین کے بعد  
قبر پر قرآن کریم پڑھنے کے سلسلے میں فقہائے کبار کے اقوال احادیث کی روشنی میں  
ملاحظہ فرما چکے ہیں، جس پر گویا امت کا اجماع ہے، اس باب میں غیر مقلدین کے انصاف  
پسند علماء بھی ہمارے ہم خیال ہیں ان کے چند اقوال ملاحظہ کر لیں۔

۱۔ جامع الفتاوی: ۱/۶۳

۲۔ اشعة اللمعات: ۱/۴۱۷، البصائر: ۲۱۵

### نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کا موقف

غیر مقلدین کے علمی پیشوا حضرت مولانا نواب صدیق حسن بھوپالی اپنی کتاب ”فتح الباب“ جس کی تلخیص عبدالمعید سلفی نے ”عقیدۃ المؤمن“ کے نام سے کی ہے، اس کتاب کے صفحہ نمبر: ۱۱۶ پر لکھ رہے ہیں ”ہدیہ ودعا“ استغفار، تلاوت اور نماز کا اجر بھی (میت) کو پہنچتا ہے جبکہ یہ سارے کام میت کی طرف سے کیے جائیں، ان کا انکار کرنا شریعت کے مقصد کے خلاف ہے ہاں سوم، چہلم، ششماہی، برسی کرنا بدعت و ضلالت ہے۔<sup>۱</sup>

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری کی رائے:

غیر مقلدوں کے ایک اور پیشوا مولانا ابوالودا ثناء اللہ امرتسری فتاویٰ ثنائیہ میں لکھتے

ہیں:

هو الموفق :- متاخرين علمائے اہل حدیث میں سے محمد بن اسماعیلؒ نے ”سبل السلام“ میں مسلک حنفیہ کو ارجح بتلایا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ قرأت قرآن اور تمام عباداتِ بدنیہ کا ثواب میت کو پہنچنا از روئے دلیل کے زیادہ قوی ہے، اور علامہ شوکانیؒ نے بھی ”نیل الاوطار“ میں اسی کو حق کہا ہے مگر اولاد کے ساتھ خاص کیا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ اولاد اپنے والدین کے لیے قرأت قرآن یا کسی عبادتِ بدنی کا ثواب پہنچانا چاہے تو جائز ہے کیونکہ اولاد کا تمام عمل خیر مالی ہو یا بدنی اور بدنی میں قرأت قرآن ہو یا نماز یا روزہ یا کچھ اور سب والدین کو پہنچتا ہے۔<sup>۲</sup>

امام ابن جوزیؒ کا موقف

آپ شرح المنہاج میں فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک مشہور قول پر قرأت قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا ہے اور

<sup>۱</sup> عقیدۃ المؤمن: ۱۱۶،

<sup>۲</sup> فتاویٰ ثنائیہ: ۱/ ۵۳۳



مختار (یعنی صحیح) یہ ہے کہ پہنچتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے قرأت قرآن کے ثواب پہنچنے کا سوال کرے، (یعنی یہ کہے یا اللہ اس قرأت کا ثواب فلاں میت کو تو پہنچا دے) اور اس طرح پر قرأت کا ثواب پہنچنے کا جزم (یقین) کرنا ہی مناسب ہے، اس واسطے کہ یہ دعا ہے، پس جبکہ میت کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا جائز ہے جو داعی کے اختیار میں نہیں ہے تو اس کے لیے ایسی چیز کی دعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا جو اس کے اختیار میں ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ دعا کا نفع میت کو بالاتفاق پہنچتا ہے، زندہ کو بھی پہنچتا ہے، نزدیک ہو خواہ دور، اور اس بارے میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں بلکہ افضل یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرے۔<sup>۱</sup>

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ کا آخری فتویٰ:

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسریؒ فتاویٰ ثنائیہ میں اپنی آخری تحقیقی رائے پیش فرماتے ہیں:

”قرأت قرآن سے ایصالِ ثواب کے متعلق بعد تحقیق یہی فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی تلاوت کر کے ثواب میت کو بخشے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، بشرطیکہ پڑھنے والا خود بغرض ثواب بغیر کسی رسم و رواج کی پابندی کے پڑھے۔“<sup>۲</sup>

دیکھئے اہل حدیث کے وہ علماء جن پر ان کے مذہب کی بنیاد قائم ہے علامہ شوکانیؒ علامہ ابن الجوزی، مولانا محمد بن اسماعیل امیرؒ، مولانا ابوالوفا امرتسریؒ اور نواب صدیق حسن بھوپالیؒ سب اس مسئلہ پر متفق ہیں کہ قرآن مجید کے ذریعہ ایصالِ ثواب کرنا احادیث سے ثابت ہے، شرط یہ ہے کہ بلا اجرت ہو اور بلا تعین وقت ہو، بلا پابندی رسوم کے ہو، کیوں کہ شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، ہم بھی تو یہی کہتے ہیں

۱۔ فتاویٰ ثنائیہ: ۵۳۵/۱، فتاویٰ نذیریہ: ۳۴۱ تا ۳۴۳

۲۔ فتاویٰ ثنائیہ: ۵۳۶/۱

چنانچہ مفتی اعظم ہند فقیہ انفس حضرت مولانا سید عبدالرحیم صاحب لاچپوری دامت فیوضہم اپنے فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۱۹۲ پر رقم طراز ہیں۔

”خلاصہ یہ ہے کہ رسوم کی پابندی جیسے ناموری وریا کاری، برادری کا دباؤ مخصوص تاریخ یا دن کی تعیین اور لوگوں کو دعوت دے کر اجتماع کا اہتمام والتزام نہ ہو تو میت کے اعزہ واقارب اور احباب و متعلقین بغرض ایصالِ ثواب قرآن خوانی کر لیں تو گنجائش ہے منع نہیں۔“<sup>۱</sup>

#### خلاصہ:

ان ساری روایات اور فقہاء و محدثین کی عبارتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ تمام نیک امور کا ثواب خصوصاً قرآن کریم پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کی روحوں کو بخشا جاسکتا ہے، اس پر پوری امت کا تعامل تو اتر کے ساتھ چلا آ رہا ہے، اگر وہ جنتی ہیں تو ایصالِ ثواب رفع درجات کا ذریعہ بنے گا اور اگر دوزخی ہیں تو ایصالِ ثواب کی برکت سے عذاب میں تخفیف ہو جائیگی، مگر شرط یہ ہے کہ اصول شرع کے مطابق ہو۔

#### ضروری وضاحت

شریعت نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی خاص طریقہ متعین نہیں فرمایا کہ صدقہ یا نفل نماز یا روزہ و حج ہی کے ذریعہ ثواب پہنچایا جائے، ایسی کہیں تحدید و تعیین نہیں ہے، ہر قسم کی عبادت کے ذریعے مردوں کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے مثلاً نفل نماز، نفل روزہ، نفل حج یا ذکر و تسبیح یا صدقہ خیرات کر کے یا مسکینوں محتاجوں کو کھانا کھلا کے، یا یتیموں غریبوں کو کپڑا پہنا کر یا تلاوت کلام پاک کے ذریعہ یا مسجد و مدرسہ بنوا کے یا مخلوق کی نفع رسانی کے لیے کنواں کھدوا کر، یا اس قسم کی کوئی اور رفاہی چیزیں بنوا کر، یا مساجد و مدارس میں قرآن مجید یا احادیث و فقہ کی کتابیں دے کر، یا کوئی کتاب تصنیف کر کے، غرض ہر طرح

<sup>۱</sup> یعنی شرح ہدایہ: ۳/۳۵۶، فتاویٰ رحیمیہ: ۸/۱۹۲

کی خیر اور بھلائی کے کام کا ثواب مردوں کی روحوں کو پہنچایا جاسکتا ہے مگر یہ آزادانہ طریقہ پر نہ ہو، اس کے لیے مخصوص وقت یا طریقہ مختص نہ کیا گیا ہو اور نہ اس پر معاوضہ لیا گیا ہو۔ آج کل مسلمانوں میں ایصالِ ثواب کا جو طریقہ رائج ہے کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں ملتا، نہ قرآن مجید سے اور نہ حدیث نبوی ﷺ سے نہ آثارِ صحابہؓ سے، نہ اقوالِ سلفِ صالحین سے، کہ کسی کے مرجانے کے بعد میت کی زیارت کے نام پر مسنون سمجھتے ہوئے اجرت پر دوسرے یا تیسرے روز تلاوتِ کلامِ پاک کا اہتمام کیا جاتا ہے اور شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، میرے بھائیو! اس طرح کسی دن کی تعیین کر کے ایصالِ ثواب کو ضروری قرار دینا غلط ہے، اور اجرت پر پڑھوانے کا تو کوئی اجر ہی نہیں ہے، یاد رکھیے اس طرح کرنے سے میت کو کوئی ثواب نہیں ملے گا، کیوں کہ فقہائے کرام نے لکھا ہے کہ اجرت پر قرآن مجید پڑھنے والے کو کوئی ثواب نہیں ملتا، جب پڑھنے والے ہی کو نہیں ملا تو میت کو کیسے ملے گا؟۔

چنانچہ ”ہدایہ“ میں ہے۔

ان القرآن بالا جرة لا يستحق اجرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کا الثواب لالمیت ولا للقاری۔ ثواب نہ تو میت کو ملے گا نہ قرآن پڑھنے والے کو۔

یہی نہیں بلکہ اس کے بعد دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہ ماہی، ششماہی و برسی کر کے دوسری برسی کو شعبان کی عید میں مردوں کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے، خدا جانے ان لوگوں نے یہ تمام چیزیں کہاں سے نکالی ہیں، حالانکہ یہ تو ہندوؤں کا طریقہ ہے جب کہ اس رسم نے آج مسلمانوں میں عقیدہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔

پھر ان لوگوں کو جو جنازہ کی نماز زیارت میں شریک ہوتے ہیں تیجہ کی مٹھائی، میوہ جات، دسویں کا نان حلوہ، چہلم برسی کی بریانی کھلائی جاتی ہے، یہ سب بس مردے کے نام

پر مزے اُڑانا ہے جو ہندوؤں کا طریقہ ہے اس لئے اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔  
کبیری میں فتاویٰ بزازی کے حوالہ سے مرقوم ہے:

”میت کی تدفین کے بعد پہلے دن اور تیسرے دن اور ہفتہ کے بعد دعوت کرنا اور ان ایام میں کھانے کو قبر کے پاس منتقل کرنا اور قرآن خوانی کے لیے دعوت کرنا، یا سورہ انعام و اخلاص کی تلاوت و ختم قرآن کے لیے صلحاء و قراء کو جمع کرنا یہ سب کے سب مکروہ افعال ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ قرآن خوانی کے وقت دعوت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے اور یہ کراہت صرف کھانے کی وجہ سے آئی ہے۔“<sup>۱</sup>

غلط استدلال:

اور مزید برآں یہ کہ ان تمام رسومات کو بجانہ لانے والوں کو اور ان میں شرکت نہ کرنے والوں کو برا کہا جاتا ہے اور ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے، بعض لوگ جوازِ زیارت و تیجہ کے متعلق دلیل میں وہ حدیث بھی پیش کر دیتے ہیں جسے شیخین نے حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ”جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے اس کو جائز نہیں کہ کسی کے غم میں تین دن سے زائد سوگ کرے اور بناؤ سنگھار چھوڑ دے ہاں البتہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس پر فرض ہے کہ چار مہینے دس دن (یعنی عدت کے ایام) تک سوگ میں رہے اور سنگھار چھوڑ دے“، آپ خود سوچئے اس روایت کا ان حرکتوں کے جواز سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟

مفتی اعظم ہند، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاچپوری نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ نقل فرمایا ہے:

”تیسرے روز یا دیگر ایام کی تخصیص و تعیین اور اسے ضروری اور لا بدی سمجھنے کا

ثبوت شریعت محمدیہ ﷺ میں نہیں ہے، ”صاحب نصاب الاحتماب“ نے اسے مکروہ کہا ہے، رسم کے طور پر مخصوص ایام کی تعیین کو ترک کر دے اور دوسرے کسی دن میں ایصالِ ثواب کرے۔<sup>۱</sup>

معلوم ہوا کہ سادہ انداز سے بلا کسی رسم و رواج کے اور بلا اجرت قرآن خوانی، ذکر، تسبیح وغیرہ کا ثواب اخلاصِ نیت کے ساتھ میت کی روح کو پہنچائے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے یقین ہے کہ مرحوم کو ضرور ثواب پہنچے گا، کیونکہ اگر اخلاصِ نیت کے ساتھ ہو تو کوئی عمل ضائع نہیں ہے، کیوں کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

## حیاتِ برزخی امام ابن تیمیہؒ کی نظر میں

(تحریر و ترجمانی: حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ)

آج کل کے جدید الفکر طبقوں نے علماء دین، ائمہ مجتہدین و متبوعین کو چھوڑ کر اتباعِ کتاب و سنت کے نام پر صرف ایک عالم دین ”امام ابن تیمیہ الحرانیؒ“ کو پکڑ لیا ہے، اور ترکِ تقلید کے ضروری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹ پیٹ کر امت کو ابن تیمیہؒ کی جامد تقلید پر لاکھڑا کیا ہے، میں گذشتہ دنوں تقریباً ایک چلہ سعودی عرب کے مختلف شہروں میں رہا، جمعے کے خطبوں اور ریڈیو پر ہونے والے محاضروں میں قال ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے قول کا ذکر شاذ و نادر ہی سننے میں آیا، اور شاذ و نادر ہی کوئی خطبہ یا مقالہ یا محاضرہ یا کوئی مضمون ایسا دیکھنے میں آیا جس میں کتاب و سنت کی وضاحت کے لیے ابن تیمیہؒ کے افکار و اقوال کا سہارا نہ لیا گیا ہو، مدینہ یونیورسٹی کے ایک معتدل المسلک استاذ نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ دکتورہ کے ایک مقالے کے لیے عنوان کی بات چل رہی تھی، میں نے طلبہ ہی سے کچھ عناوین وضع کر کے دکھانے کے لیے کہا، طلبہ بیس بائیس عنوانات لکھ کر لائے اور سب کے سب ”ابن تیمیہ و افکارہ“ ہی پر مشتمل تھے، صرف تعبیرات جدا تھے، تعجب ہے کہ ایسی جامد و فاسد تقلید کے قائل ہونے کے باوجود یہ لوگ تیرہ صدیوں سے چلی آ رہی ائمہ متبوعین کی معقول اور مدلل و محقق تقلید کو بدعت بلکہ شرک تک کہہ دینے کی جرأت کیسے کر لیتے ہیں؟ یعنی ہماری آپہن تو بدنامی کا سبب بن جاتی ہیں اور ان کے قتل و غارت کا کہیں چرچا نہیں ہوتا۔ فالی اللہ المشتکی۔

اس جدید فیشن یا کہنے قریب العہد نظریہ کے دور رس نہیں چشم دید اعتقادی، عملی اور تہذیبی مضرات پر بہت کچھ اظہارِ خیال کا جی چاہنے کے باوجود اس وقت اس موضوع کو

قلم انداز کر کے ایک دوسرے مسئلے کی طرف آتے ہیں، اور وہ مسئلہ ہے ”ایصالِ ثواب“ کا آئے دن اس مسئلہ کے سلسلہ میں مرد و خواتین معلوم کرتے رہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے ذریعہ مردوں کو نفع پہونچایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جب ان کو اثبات میں جواب دیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایصالِ ثواب سے میت کو نفع پہونچنا برحق ہے تو بتلاتے ہیں کہ ہمارے فلاں رشتہ دار یا اہل تعلق کہہ رہے ہیں کہ یہ سب بے کار باتیں ہیں۔ مثلاً ایک نوجوان ایصالِ ثواب کے لیے شائع کردہ احادیثِ صحیحہ کے ایک مجموعے کو دیکھ کر برہم ہوتے ہوئے کہنے لگے ”کیا ان حدیثوں کو چھاپ دینے اور لوگوں کے ان کو پڑھ لینے سے آپ کے باپ کی مغفرت ہو جائے گی؟ اگر ایسا ہے تو پھر دین ہی کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے ہی بدعمل رہ کر مر جاؤ، بچے ایصالِ ثواب کر کے کام بنادینگے، یہ سب بے کار باتیں ہیں جو جاہل مولویوں نے پھیلا رکھی ہیں، ورنہ آدمی کے ساتھ اپنے عمل کے علاوہ کچھ جانے والا نہیں ہے“ وغیرہ۔

یہ اور اس قسم کی بہت سی منطقیں ہیں جو قرآن و حدیث پر عمل کے نام سے ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں، اور ہم حتی المقدور احقاقِ حق کی سعی کرتے رہتے ہیں۔ مجھے حالیہ سفر سعودی عرب کے دوران ایک مکتبے پر ایک مختصر رسالہ ”حکم عذاب القبر و عذابہم و نعیہم“ کے نام سے نظر آیا، جو امام ابن تیمیہؒ کا ایک فتویٰ ہے جسے مدینہ یونیورسٹی کے ایک استاذ ڈاکٹر عبداللہ بن محمد نے اپنی تحقیق کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے، اخیر میں خلاصے کے طور پر برزخ سے متعلق اہل السنۃ والجماعت کے ۱۳ عقیدے بھی نقل کر دئے ہیں۔ چونکہ متواتر و متفق علیہ تقلید کو قولاً بدعت یا شرک قرار دے کر تنہا ابن تیمیہؒ کی تقلید کو عملاً توحید و سنت اعتقاد کرنے والا طبقہ انہی کی تحقیقات کو حق سمجھتا ہے۔ خواہ وہ ان کا تفرد ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے امام ابن تیمیہؒ کے اس فتوے کو جو جمہور علماء اسلام کے اجماعی اعتقاد کے مطابق ہے ترجمہ کر کے ہدیہ ناظرین کیا

جارہا ہے، تاکہ ایسے لوگوں کے چشمِ فکر سے پردہ اٹھانے میں مددگار ہو، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس زمانے میں لوگ قرآن و حدیث پڑھ کر خود ہی مسائل کا استنباط کر لینے کی حماقت میں مبتلا نہ تھے، اپنی رائے و عقل کو دین میں داخل کرنے کے بجائے علماء سے معلوم کر لینے کو ضروری سمجھتے تھے۔

چنانچہ برزخ کے احوال سے تعلق امام ابن تیمیہؒ سے کسی نے درج ذیل استفتاء کیا تھا:

- (۱) کیا مردے زائرین کو دیکھنے اور ان کی آواز سننے پر قادر ہوتے ہیں؟
  - (۲) کیا اس وقت ان کی ارواح ان کے ابدان کی طرف لوٹائی جاتی ہیں؟
  - (۳) کیا ان کو پسماندگان کی طرف سے ایصال کئے گئے تلاوت و صدقہ کا ثواب پہنچتا ہے؟
  - (۴) کیا آدمی کی روح مرنے کے بعد پہلے مرچکے اپنے عزیز و اقارب کی ارواح کے ساتھ مل سکتی ہے؟
  - (۵) کیا آدمی کی روح اس جگہ منتقل کر دی جاتی ہے جس جگہ کی مٹی سے پیدا ہوا تھا، خواہ کہیں مرا اور دفن ہوا ہو؟
  - (۶) کیا میت کو اس کے اعزہ و اقربا کے گریہ و بکاء کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے؟
- سائل نے لکھا کہ ان سوالات کو لے کر (ہمارے علاقے میں) بہت تشویش پائی جاتی ہے، اس لیے کتاب و سنت، اقوال صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ متبوعین کی روشنی میں تسلی بخش جواب عنایت فرمائیے اور اختلاف کی صورت میں راجح قول کی نشاندہی بھی کیجئے، اللہ آپ کو اجرِ جزیل عطا فرمائے گا انشاء اللہ۔

امام ابن تیمیہؒ ان سوالات کے جواب میں حمد باری تعالیٰ کے بعد رقم طراز ہیں:

(۱) جی ہاں! مردہ زائر کی آواز کو فی نفسہ سن لیتا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث



سے ثابت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب لوگ قبر کے پاس سے لوٹنے لگتے ہیں تو میت کو ان کے چپلوں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔<sup>۱</sup>

اسی طرح حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بدر کے مقتولین کو تین دن تک یونہی پڑے رہنے دیا، اس کے بعد ان کی لاشوں کے پاس آئے اور انہیں مخاطب کر کے فرمایا: اے ابو جہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم لوگوں نے تمہارے رب کے وعدوں کو برحق نہیں پایا؟ میں نے تو اپنے رب کے وعدہ کو بالکل سچ دیکھ لیا! حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کے اس ارشاد کو سنا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ لوگ تو گل سڑ گئے، یہ کیسے آپ کی باتیں سن لیں گے اور کیا جواب دے سکیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم سے زیادہ وہ لوگ میری بات سن رہے ہیں لیکن وہ بس جواب نہیں دے سکتے۔<sup>۲</sup>

اسی طرح کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔<sup>۳</sup> صحیحین میں متعدد طرق سے مروی ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں کو اہل قبور کو سلام کرنے کا حکم دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ قبرستان جاؤ تو یوں کہا کرو: السلام علیکم اهل الدیار من المؤمنین والمسلمین الخ،<sup>۴</sup> اس سلام و دعا میں اہل برزخ کو مخاطب کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطبت اسی سے ہوتی ہے جو سننے کا اہل ہوتا ہے۔

ابن عبدالبرؒ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: جب بھی کوئی شخص کسی شخص کی قبر سے گزرے جس کو وہ پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس میت کی روح اس کے جسم میں لوٹاتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے سکے۔<sup>۵</sup>

۱۔ بخاری ۲/۴۴۲، مسلم ۴/۲۲۰

۲۔ بخاری ۷/۳۵۰، سنن بخاری ۳/۲۴۷

۳۔ مسلم ۹۷۵، الاستذکار: ۱/۲۳۴

خود اپنے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بھی کوئی مسلمان مجھ کو سلام کرے گا تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ میں لوٹا دے گا اور میں اس کے سلام کا جواب دوں گا۔<sup>۱</sup>

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کی شب اور اس کے دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو، کیونکہ تمہارا درود مجھ کو پہنچایا جاتا ہے، صحابہؓ نے عرض کیا: ہمارا صلوٰۃ و سلام آپ کو کیسے پہنچے گا جب کہ آپ بوسیدہ ہو جائیں گے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو گلانا حرام کر دیا ہے۔<sup>۲</sup>

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر فرشتے مقرر کر دئے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ کو پہنچاتے ہیں۔<sup>۳</sup>

پس! یہ اور ان جیسی دیگر نصوص واضح کرتی ہیں کہ مردہ زندے کی آواز فی نفسہ سنتا ہے، یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر وقت سنتا ہے، بلکہ کسی وقت سنتا ہے تو کسی دوسرے وقت نہیں سن پاتا، جب کہ زندہ کو بھی ایسی صورت حال پیش آتی ہے کہ کبھی متوجہ کرنے والے کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے کبھی کسی عارض کی وجہ سے متوجہ نہیں ہو پاتا، البتہ یہ سننا ادراک و شعور کے تحت ہوتا ہے، اس پر کوئی جزا مرتب نہیں ہوتی، نیز یہ سننا وہ سننا نہیں ہے جس کی إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ سے نفی کی گئی ہے، کیونکہ اس آیت میں مطلق سننے کی نفی نہیں ہے، قبولیت و تعمیل والے سننے کی نفی ہے، اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو مردے سے تشبیہ دی ہے جو پکارنے والے کا جواب نہیں دے سکتا، اسی طرح چوپایوں سے تشبیہ دی ہے کہ آواز تو سن لیتے ہیں مگر معنی نہیں سمجھ پاتے۔ پس مردہ بھی اگرچہ کہ پکارنے والے کی آواز

۱۔ مسند احمد ۱۶/۴۷۷

۲۔ ابوداؤد، النسائی، ابن ماجہ، احمد، ابن خزیمہ، حبان، بسند صحیح

۳۔ نسائی، احمد، دارمی وغیرہ بسند صحیح

سن لیتا اور اس کے مفہوم و معانی کو بھی سمجھ جاتا ہے مگر جواب دینے یا حکم پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتا، اس لیے اس کو امر و نہی کا۔ باوجود سننے کے۔ کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

جہاں تک مردے کے دیکھنے کا تعلق ہے تو اس کے جواز و ثبوت میں بھی حضرت عائشہؓ وغیرہ کے آثار موجود ہیں۔ (مثلاً حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب تک میرے کمرہ میں نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ مدفون تھے میں یہ سوچ کر کہ یہ تو میرے شوہر اور میرے والد ہیں کپڑے اتار لیا کرتی تھی مگر جب حضرت عمرؓ بھی مدفون ہو گئے تو خدا کی قسم اس کے بعد میں کبھی بغیر اچھی طرح چادر اوڑھے اپنے کمرہ میں داخل نہیں ہوتی تھی، کیونکہ مجھے عمرؓ سے حیا آتی تھی)۔<sup>۱</sup>

(۲) یہ سوال کہ آیا مردے کی روح قبر میں اس کے بدن کے اندر لوٹائی جاتی ہے یا اس وقت اس کی قبر پر منڈلاتی رہتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مردے کی روح زیارت قبر کے وقت اس کے اندر لوٹادی جاتی ہے جیسا کہ خود حدیث شریف میں آیا ہے، زیارت پسماندگان کے علاوہ وقتوں میں بھی روح بدن میں وقفاً فوقاً لوٹائی جاتی رہتی ہے۔

مومنین کی رو میں حدیث شریف کے مطابق جنت کے درختوں پر پرندوں کی طرح لٹکی ہوتی ہیں، جب اللہ تعالیٰ حشر فرمائے گا تو ان کے ابدان میں لوٹادی جائیگی۔ دوسری روایت میں ہے کہ ”پھر عرش پر لٹکی قدیلوں میں پہنچ جاتی ہیں“۔<sup>۲</sup>

اسی کے ساتھ جب اللہ تعالیٰ چاہے تو بدن میں بھی پہنچتی رہتی ہیں اور یہ بدن میں روح کا آنا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اس کی آمد و رفت اسی سرعت کے ساتھ ہوتی رہتی ہے جیسے کہ فرشتوں کی زمین و آسمان کے درمیان آمد و رفت ہوتی رہتی ہے یا جیسے سونے والے کی شعاعوں کے زمین پر آنے کی رفتار ہوتی ہے کہ کسی لمحہ وہاں ہوتی ہے تو کسی

۱۔ رواہ حاکم ۳/۶۱، وائاد علی شرط التئین

۲۔ مؤطا امام مالک ۱/۲۴۰

لمحہ یہاں! یہ بات متعدد آثار حدیث میں منقول ہے کہ رو حیں قبر کے اندر رہتی ہیں یعنی کبھی (اور کبھی وہیں چلی جاتی ہیں جو ان کا مقام ہے)، یہ آثار ابن ابی الدنیا کی کتاب القبور، ابن قیم کی کتاب الروح، ابن رجب کی احوال القبور اور سیوطی کی شرح الصدور وغیرہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۳) اب جہاں تک قراءت، صدقات اور دیگر خیر کے اعمال مردوں کو پہنچنے یا نہ پہنچنے کا سوال ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک صدقہ و خیرات، دعا و استغفار، نماز جنازہ اسی طرح قبر کے پاس (آزمائش برزخ میں تسہیل کے لیے) کی گئی دعا کا ثواب مردوں کو پہنچنے میں کوئی اختلاف نہیں (یعنی اس پر اہل السنۃ والجماعت کا اجماع ہے) البتہ عبادات بدنیہ مثلاً نماز، روزہ، تلاوت کا ثواب پہنچنے میں اگرچہ بعض کو اختلاف ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ ان سب کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

صحیحین میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ: اگر کسی مرنے والے کے ذمے روزے باقی رہ گئے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے یہ روزے رکھ لے۔<sup>۱</sup> یہ بھی حدیث سے ثابت ہے کہ ایک عورت کا انتقال ہوا جس کے ذمے روزہ رہ گیا تھا تو آپ ﷺ نے اس کی بیٹی کو مرحومہ والدہ کی طرف سے روزہ رکھنے کا امر فرمایا۔<sup>۲</sup> مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرو بن العاص (کے پوچھنے پر ان) سے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: تمہارے والد اگر مسلمان ہوتے تو تمہارا ان کی طرف سے صدقہ کرنا اور روزہ رکھنا انہیں نفع دے سکتا تھا۔<sup>۳</sup>

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کا یہی مسلک ہے، اور مالکی علماء کی ایک جماعت بھی اسی کی قائل ہے۔ (گویا جمہور علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عبادات مالیہ کی طرح عبادات بدنیہ کا اجر و ثواب بھی میت کو پہنچایا جاسکتا ہے)۔

۱۔ بخاری ۲۲۶/۴

۲۔ بخاری ۲۲۷/۴، مسند احمد، سنن ابوداؤد، بیہقی ۶/۲۹۷، مسند صحیح

جن لوگوں نے **وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** سے یہ سمجھا ہے کہ زندوں کی سعی و عمل سے مردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا تو ان کی بات غلط ہے، اس لیے کہ سنت متواترہ اور اجماع امت سے یہ جو ثابت ہے — کہ میت پر نماز جنازہ پڑھی جائے، اس کے لیے دعا و استغفار کی جائے — یہ بھی توسعی غیر اور دوسرے کا عمل ہے، نیز صدقہ و خیرات اور مالی عبادات کا اجر پہونچنے پر پوری امت کا اجماع ہے، جب کہ وہ بھی دوسرے ہی کا عمل ہے، جب یہ اعمال (آیت مذکورہ) کے منافی نہیں سمجھے گئے تو بقیہ اعمالِ صالحہ کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا، اور منکرین سے کہا جائے گا کہ تم آیت مذکورہ کے ہوتے ہوئے نماز جنازہ و دعائے مغفرت و خیرات کے جائز ہونے کا جو ثبوت دو گے وہی ثبوت ہم بقیہ اعمالِ صالحہ نماز، روزہ اور حج و تلاوت کے جواز کے لیے تم کو دیں گے۔ ویسے علماء نے اس اشکال کے مختلف جوابات دئے ہیں، ان میں سے ایک مضبوط جواب منکرین کا یہ ہے کہ آیت **وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ** میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ انسانوں کو دوسرے کا عمل نفع نہیں دیتا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ”ہر شخص کو اس کا عمل نفع دیتا ہے“، یعنی وہ صرف اپنے عمل کا مالک ہے دوسرے کے عمل پر اس کا کوئی تصرف نہیں ہے، لیکن دوسرا اپنا عمل کسی اور کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے یا نہیں تو اس کی کہیں ممانعت وارد نہیں ہے، جیسا کہ مال کا معاملہ ہے کہ آدمی صرف اپنے مال کا مالک ہے، اسی پر حق رکھتا ہے، دوسرے کے مال پر اس کا کوئی حق نہیں، لیکن اگر دوسرا اپنا مال اپنی خوشی سے کسی کو دینا چاہے تو وہ برابر دے سکتا ہے، مال کی طرح کوئی اپنے اعمال (نافلہ) کا ثواب کسی اور کو دے دینا چاہے تو بلا خوف دے سکتا ہے، اس میں کوئی اشکال کی وجہ ہی نہیں ہے۔

(۴) کیا مرنے والے کی روح اور پہلے سے مرے ہوئے لوگوں کی روحیں آپس

میں ایک دوسرے سے ملتی رہتی ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ میت کی روح جب آسمانوں پر لے جائی جاتی ہے تو دوسری روحیں اس سے مل کر زندہ لوگوں کے بارے میں پوچھنے لگتی ہیں کہ کیا حال ہے؟ پھر ان میں سے بعض روحیں کہتی ہیں بھڑو! اس کو ذرا آرام تو لے لینے دو۔ الخ<sup>۱</sup>

چونکہ زندوں کے اعمال و احوال کا مردوں کو علم ہو جاتا ہے اسی لیے حضرت ابوذر داء دعا میں کہتے تھے ”اے اللہ! میں آپ کی کسی ایسے عمل کے کرنے سے پناہ چاہتا ہوں جس کی وجہ سے عبد اللہ بن رواحہؓ کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے۔“

یہ تو روح کے پہنچنے کے وقت پچھلی روحوں کا استقبال اور سوال و جواب کی بات تھی، جہاں تک ان روحوں کے مستقل قیام کا معاملہ ہے تو ان کی قیام گاہیں ان کے حسب مراتب ہوں گی، بعض جو اللہ تعالیٰ کے بہت ہی مقرب ہوں گے وہ اعلیٰ منازل میں ہوں گے اور جو اس مرتبے کے نہیں ہوں گے وہ ان سے کم مرتبے کی منزلوں میں ہوں گے، لیکن جب اللہ چاہے گا یہ روحیں جمع بھی ہوتی رہیں گی، جیسا کہ دنیا میں درجات کے تفاوت کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہو جاتے ہیں۔ اب خواہ دفن کے اعتبار سے یہ اموات دنیا میں ایک دوسرے سے قریب رہی ہوں یا بعید وہاں تو اپنے اپنے مقام کے اعتبار سے ہوں گے۔ مثلاً کوئی کافر کسی مسلمان کے جوار میں مدفون ہو مگر روحیں وہاں ایک کی جنت میں ایک کی جہنم میں ہوں گی، یا مثلاً دو آدمی ایک ساتھ دفن کئے گئے ہوں مگر اعمال کے تفاوت کی وجہ سے دونوں میں دوری ہو سکتی ہے کہ کوئی عذاب کا حق دار ہو اور کوئی انعام و اکرام کا مستوجب تو یکجا دفن ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت دور ہوں گے۔

(۵) جسم کے پیدائش کی جگہ منتقل کر دئے جانے کی بات صحیح نہیں ہے، انسان

۱۔ ابن حبان، طبرانی کبیر ۴/۱۵۳، بسند ضعیف

۲۔ اس جگہ دو روایات میں مصنفؒ سے غلط بحث ہو گیا ہے، محقق نے ماثیہ میں اس کی صراحت کر دی ہے۔

قیامت کے دن وہیں سے اٹھایا جائے گا جس جگہ مرا اور مدفون ہوا، نیز تدفین کے بعد اس کے جسم کا قبر میں پایا جانا عام تجربہ و مشاہدہ ہے، محض وہم و گمان کے ذریعہ مشاہدہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا، پس انتقال جسم کا خیال عقل و نقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

(۶) کیا میت پر رونے سے میت کو تکلیف ہوتی ہے؟

اس مسئلے میں علماء سلف و خلف کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ احادیث صحیحہ کی روشنی میں صحیح بات یہ ہے کہ میت کو پسماندگان کے اس عمل سے تکلیف پہنچتی ہے، جیسا کہ حدیث<sup>۱</sup> میں ہے کہ ”میت کو اس کے گھر والوں کے رونے اور بین کرنے سے عذاب ہوتا ہے“ اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ کے واقعہ<sup>۲</sup> میں ہے کہ ان کے سکرات کے موقع پر ان کی بہن بین کر کے رونے لگیں تھیں اور اس بیچ میں ان کو ہوش آیا تو انہوں نے فرمایا ”جب بھی تم میری کوئی تعریف کر رہی تھیں تو مجھ سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا یہ صحیح ہے؟ کیا تم واقعی ایسے ہی ہو؟“

برخلاف اس کے بہت سے علماء سلف و خلف کی یہ بھی تحقیق ہے کہ میت کو عذاب نہیں ہوتا، کیونکہ اس میں میت کا کوئی قصور نہیں اور دوسرے کے گناہ کی وجہ سے اس کو عذاب دئے جانے کا کوئی جواز نہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ<sup>۳</sup> پھر جو احادیث صحیحہ اوپر مرقوم ہوئی ہیں ان کے سلسلہ میں ان علماء میں سے بعض مثلاً حضرت عائشہؓ اور امام شافعیؒ نے راویوں کی تغلیط کی ہے، بعض مثلاً امام مزنیؒ وغیرہ نے میت کے اس سے راضی رہنے اور تاکید کرنے پر محمول کیا ہے، کیوں کہ اس صورت میں میت اپنی پسند کی وجہ سے اس سزا کا مستوجب ہو جائے گا۔

یہ اقوال ضعیف ہیں جب کہ ان کے مقابلے میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جیسے صحابہ کرامؓ سے مروی واضح احادیث مضبوط ہیں۔<sup>۴</sup> البتہ یہ اشکال کہ بلا قصور

۱۔ بخاری ۳/۱۸۰، ۲۔ بخاری ۷/۵۸۹، ۳۔ الانعام: ۱۶۴

۴۔ آگے مصنف سے ایک دوسری بحث چھڑ گئی ہے جو نفس موضوع سے متعلق نہیں ہے اس لیے ترک کر دی گئی۔ من المترجم

سزا دینا اللہ تعالیٰ کی شانِ عدل اور اصولِ دین وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقاب اور سزا تو نائحہ یعنی بین کرنے اور رونے والوں ہی کو ملے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ”نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے پہلے توبہ نہ کرے تو اس کو قیامت کے دن سوزش کی قمیص اور تار کول کا پا جامہ پہنایا جائے گا“۔<sup>۱</sup> یہاں عذاب سے مراد تکلیف و اذیت ہے عقاب اور جزاء عمل نہیں، اسی وجہ سے یہ عذاب کہا گیا ہے یعاقب نہیں کہا گیا، عذاب عقاب کے مقابلے میں اعم ہے، یعنی اس کے معنی میں وسعت ہے، جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے سفر کو قطعۃ من العذاب فرمایا ہے جو کھانے پینے کی مشکل میں ڈال دیتا ہے۔<sup>۲</sup>

پس معلوم ہوا کہ احادیث میں پسماندگان کے نوحہ کرنے اور بین کرنے سے میت کو عذاب ہونے کی جو بات کہی گئی ہے وہ کسی کے عمل کا بوجھ کسی دوسرے پر ڈالنا نہیں ہے بلکہ اپنے معنی کی وسعت کے اعتبار سے کوئی دوسری چیز ہے، یعنی اذیت و تکلیف کا محسوس ہونا۔ بہر حال میت کو اس عمل سے تکلیف ہونا واضح ہے۔ یہ تو سب ہی مانتے ہیں کہ قبر میں آدمی مختلف طریقوں مثلاً خوفناک آوازوں، متعفن بد بوؤں اور قبیح شکلوں کے ذریعہ عذاب دیا جاتا ہے، تو پھر اسی کے انکار کی کیا وجہ ہے کہ میت کو اس کے لوگوں کے نوحہ و بکاء سے عذاب ہوتا ہے؟۔<sup>۳</sup>

۱۔ مسلم: ۹۳۴

۲۔ بخاری: ۷/۷۲۸

۳۔ غور کیا جائے تو مصنفؒ نے اتنی اور حضرت عائشہؓ کی بھرپور دید کے بعد جو نتیجہ نکالا ہے وہ وہی ہے جو حضرت عائشہؓ کا موقف ہے۔ من المترجم۔